ضربِ مسیحؑ

ابوالمنصور رنجور کاشمیری

پسِ اوراق

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱/	سرِ آغاز کی بات	۶
۲/	انتساب	۱۱
۳/	سرنامہ	۱۲
۴/	مژدۂ نو	۱۳
۵/	ضربِ مسیح	۱۴
۶/	آواز	۱۵
۷/	پہچان	۱۶
۸/	ذوُالجلال	۱۷
۹/	کُن فیکون	۱۹
۱۰/	ناآشنا خودی	۲۱
۱۱/	منزل ہے کہاں	۲۴

۱۲/	کیا مانگا کیا ملا	۲۶
۱۳/	گیت اِتحاد کا سُناؤ	۲۸
۱۴/	درد اور آزار کے بعد	۳۳
۱۵/	شامِ غم	۳۵
۱۶/	لمحۂ غم کے وقت	۳۷
۱۷/	فریڈرک اینگلس	۳۹
۱۸/	شبِ غم	۴۰
۱۹/	ڈاکٹر طاہرِ مرزاؔ	۴۱
۲۰/	مُجرم	۴۳
۲۱/	خضر کی آواز	۴۴
۲۲/	غیر مادی تجارت	۴۶
۲۳/	پہچان کی پہچان	۴۹
۲۴/	انسان کی دھرتی	۵۲
۲۵/	آج کی عبادت	۵۵
۲۶/	نِدائے امن	۵۸
۲۷/	خط کے جواب میں	۵۹

۲۸/	مادہ	۶۱
۲۹/	حرکت	۶۱
۳۰/	دہریّت کیا ہے	۶۲
۳۱/	یہ دردِ دل	۶۳
۳۲/	مسیح کا تصوّر	۶۸
۳۳/	مکالمہ	۷۰
۳۴/	یہ سنگلاخ	۷۵
۳۵/	انتہا ابتداء کی طرف	۷۷
۳۶/	کنایات زمزمات	۸۰
۳۷/	غزلیں	۱۰۰

☆

سرِ آغاز کی بات

میرا یہ اُردو مجموعہ دیکھ کر نکتہ چین حضرات شاید پھر سے چہ میگوئیاں کرنے لگیں۔ کہ میں نے آخرش اپنی مادری زبان سے دغا کر کے مرتی ہوئی اُردو نامی پرائی زبان ہی اپنا لی ہے۔ چنانچہ میرا تذکرہ کرتے ہوئے کچھ نقاد دوستوں نے میرے تئیں بہت پہلے یہ تاثر بھی دیا تھا کہ اگر ان کی یعنی میری صلاحیتوں پر عملی سیاست کا غلبہ نہ ہوتا۔ تو وہ علم وادب شاعری اور زبان کی عظیم خدمات انجام دے سکتا تھا۔ دوسری طرف سیاسی مبصرین کی سرگوشیاں، مانا کہ تحریک حریت کے تمام سیاستدان مجاہدین آزادی میں سے آزادی کے بعد یہی شخصیت بے غرضی اور ثابت قدمی سے جدوجہد کرتا رہا۔ مگر ان کی رہنمایانہ شخصیت میں ان کی شاعرانہ مست خیالی بڑی طرح حائل ہو کر رہ گئی ہے۔

میری اپنی سمجھداری میں اس طرح کی چہ میگوئیاں بے ہودہ نکتہ چینی کے سوا اور کچھ نہیں۔ جبکہ میں نے سیاسیات میں مصروف عمل

رہتے ہوئے بھی اپنے نامور پیشترو اور ہمعصر شعرا او ادباء کے بمقابلہ کشمیری زبان میں کہیں زیادہ بھرپور اور بامقصد شعر وادب تخلیق کی ہے اور اگر میرے تخلیقی شعر وادب میں فکر وفلسفہ کی کچھ جان بھی ہو تو وہ بھی اُسی سیاسی آگہی کی دین ہے۔ جسے میں نے عمر بھر اپنا لیا تھا۔ پھر ہر گاہ میں نے پچاس سالہ سیاسی جدوجہد میں ذاتی اغراض سے دامن بچا کر کہیں بے لوث سیاسی دیانتداری کا رہنمایانہ مظاہرہ بھی کیا ہے۔ تو اُس کا سرچشمہ بھی وہی میری شاعرانہ مست خیالی ہی رہی ہے۔

مسلمہ امر کہ علم وحکمت فلسفہ اور شعر وادب کی معنویت سے زبان کی روانیت کہیں زیادہ اور پرجوش اثر رکھتی ہے۔ جو روانیت دنیا کی ہزار رہا زبانوں میں سے کچھ ہی زبانوں کو عطا ہوئی ہے جن میں حالیہ قبل کی کچھ ہی صدیوں میں نشوونما پائی ہوئی ایک وہ اُردو زبان بھی ہے۔ جو آبشار کی بہتی دار کی طرح اپنی برجستہ روانیت کے باوصف اپنے اندر ایک زوردار بین الاقوامی زبان کی عالمگیر اہمیت رکھتی ہے۔ یہ بات الگ کہ بیسویں صدی کے وسط میں اگرکہ ہندوستانی فرقہ پرست شاونیت نے اس حقیقت کو جھٹلا کر فی الحال نظر انداز کیا۔ تاہم رموز لسانیات کے اہل نظر شعرا نے اُردو کی عالمی اہمیت کو مدت پہلے ہی بھانپ لیا تھا۔ جن میں اقبالؔ اور فیضؔ کو ہی سرمثال یاد کریں۔ جن کی وسیع شہرت اُردو

کی ہی مرہین منت ہے جبکہ بُلّے شاہ اور وارثؔ شاہ کی پنجابی شعری ریاضت ان سے کہیں زیادہ ہے۔اور اگر اقبالؔ وفیضؔ نے بھی اپنی پنجابی زبان کو ہی ذریعہ اظہار بنایا ہوتا۔تو انہیں بھی وارثؔ شاہ سے زیادہ شہرت نہیں ملتی۔اقبال کے زور بیاں فلسفیانہ تلاش وتجسس میں ان کی عقابی نظر کو جہاں ستاروں سے آگے کی جستجو بھی ہے۔وہاں علامہ کی روحانی فکر ایک مخصوص دائرے تک ہی محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔بابن شیخ ریازؔ کی شاعرانہ بلند خیالی اپنی آزاد اور ہمہ گیر فکر ونظر کی گرفت میں زمان ومکان کی تفکرات کو بسا کر پوری کائنات کا احاطہ کرتی ہے مگر دنیا اُن کی ہمہ گیر شخصیت سے ناآشنا ہے۔اس لئے کہ ریازؔ نے اپنے وسیع تر شعر وفلسفہ کے لئے صرف اپنی سندھی زبان میں ہی طبع آزمائی کی ہے۔یہی مثال ہم پر صادق آتی ہے۔

اس ضمن میں ایک اور مثالی واقع کہ ۳۸-۱۹۳۷ء کے دوران ۲۰ سال کی عمر میں لاہور میں رہتے، سات ماہ تک علامہ اقبالؔ کی فکری شعری محفل کے ساتھ وابستہ رہا ہوں اور ان ہی کی فرمائش سے اپنے مُلایانہ قید سے چھوٹ کر عملی سیاست میں شامل ہوا۔اور کسی حد تک اب بھی خود کو ان ہی کا مرید سمجھتا ہوں۔علامہ موصوف ہر پنجابی کے ساتھ عادتاً پنجابی میں ہی بولتے تھے۔ایک بار ایک روکش جوان نے ان سے

باصرار کیا۔کیا ہم اتنے نالائق ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ اپنی علمی اور شعری زبان اُردو بولنا گوارانہیں فرماتے۔علامہ نے چونکتے ہوئے اُن کی طرف نظر اُٹھا کر کہا کہ آخر آپ بھی پنجابی ہیں۔اس لئے پنجابی میں ہی بولنا مناسب سمجھا۔نوجوان نے پھر کہا یہ تو ٹھیک ہے مگر پنجابی بولنے کے علاوہ تھوڑی ہی کوئی اُردو یا عالمی زبان ہے؟ یہ سُنکر علامہ نے کچھ تاسف کے بعد اُن سے پھر کہا۔ہاں پیارے اُردو اگرکہ ایک جری اور خطیبانہ زبان ہے۔مگر عالمی زبان بننے کے لئے ابھی اس زبان کو فارسی ،فرانسیسی ،انگریزی اور عربی زبانوں سے کافی کچھ استفادہ کرنا باقی ہے۔جو فریضہ اُردو کے بہی خواہ ادیب اور مترجم ہی انجام دے سکتے ہیں۔

یہی اشارہ پاکر میں نے بھی اُردو میں شعر کہنا شروع کر کے ''بہارِ جاوداں'' نامی بیاض لکھ ڈالی جو ''کشمیر چھوڑ دو تحریک'' کے دوران پولیس کے ہاتھ لگ جانے سے غیر مطبوعہ ہی مجھ سے کھوگئی۔اور اس تاثر میں ''بانگِ انقلاب'' مطبوعہ اُردو بھی تخلیق ہوئی۔اس کے ساتھ اگر زیادہ تر کشمیری زبان میں ہی لکھتا رہا۔تاہم میں نے جیسی ویسی اُردو کو کبھی ترک بھی نہیں کیا۔اخبارات وجرائد کے لئے وہ لاتعداد تاریخی سیاسی مضامین ومقالات اور تبصرے بھی میں نے اُردو میں ہی لکھے

ہیں۔ جن کی معرفت ریاست سے باہر بھی میری کچھ شناسائی ہے۔

''ضربِ مسیح'' میری پانچویں اُردو کتاب کچھ دگرگوں شعری نیم شعری انداز بیان واداے خیال کی عکاسی ہے۔ جس پر قارئین ہی کچھ کہہ سکتے ہیں کشمیری زبان میں ابھی تک میری پندراہ چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہوکر اُس سے کہیں زیادہ تخلیقات ابھی غیر مطبوعہ ہیں۔ جن کی طباعت اب اس لئے بارگراں کہ جہاں طباعت کی مہنگی طوالت وہاں سرکار اور اہل زبان کی بے اعتنائی۔ پھر میری ذاتی عاجزی کہ زندگی کے اس آخری دور میں بیک وقت ذیابیطیس اور دل کا مریض ہونے کے ساتھ ہی ہاتھوں میں رعشہ کے باعث قلم اُٹھانے سے قاصر ہوں۔

۵ جنوری ۱۹۹۰ء

ابوالمنصور رنجور کاشمیریؔ

☆

انتساب

بولنے والے ان سادہ دِل بھیڑوں کے نام
جوشیبانِ اعظم کی مقدس چراگاہوں میں ہزاروں
سال سے گھاس چرتے ہوئے ابھی چرنا ہی
نہیں سیکھے ہیں۔

علم وحکمت ہو نہیں جو آشنائے دردِ دل
یوں سمجھ پائے نہیں ضربِ کلیم ضرب مسیح

☆

سرنامہ

شاخِ الہام ہی سے پھوٹتے ہیں زمزماتِ کلام
شعر و سخن ہی تو ہیں ادائے پیمبری
کلام انگیز ہیں ہاتفی و کلیم و مسیح
یزدان و بھگوان کی نقاب کشا صدائے سخنوری

☆

مژدۂ نو

بگو منتظرانِ شہرِ خموشاں را
ہنوز ایں مژدۂ نو
کہ مسیحا آئے گئے بھی
اور وہ پھر بھی آئینگے
محروم نظر ہیں آنکھیں جن کی
جو دیکھ نہ سکی ہیں
بہرے کانوں سے اپنے کچھ
وہ پھر بھی نہ سن سکینگے
پیشِ مردُمانِ جاہلانِ زماں
بگو ضرب مسیح
تا کند تلخیِ ناداں راشیریں
ایں کلام فصیح

☆

ضربِ مسیح

کہو دُنیا والوں سے ایکبار ! پھر مسیح کا سلام
زندہ و سلامت رہیں خیر و برکات سے تمام
کرتے ہیں انتظار! یہ اندھے، بہرے اور وہ گونگے بھی
سُن جو پائے نہیں کبھی سمجھ نہ سکے ہیں مسیح کا پیام
صدہا بار جو گذرتا رہا، انہی صحراوٗں کی راہوں سے
غضب ہے انہیں! پہچانا ہی نہیں کبھی وہ مسیح کا اندام
ایک بار ایسے بھی آیئے کہ دُنیا کی تاریخ ہی بدل دی
چل دیئے پھر دیکے دُنیا کو امن و انصاف کا نیا نظام
بِگو کوٗر چشمانِ زماں را ہنوٗز
کلامِ ضربِ مسیح
قُل بِاذِنہِم مردہ دِلانِ جہاں را
پیام ضربِ مسیح

آواز

کون بُلا رہا ہے
کِسے بُلا رہا ہے
دِکھائی نہیں دیتا
سمجھ نہیں آتا

وہ جو سنائی دیتی ہے
ایک مہیب اور خوفناک آواز
جو سُنائی دیتی ہے
بہت دُور سے
بہت مُدتوں سے
کوہِ ندا کی چوٹی سے

ایک ہیبتناک آواز
بُلانے والی آواز
جو سُنائی دیتی ہے
ہوسکتا ہے! کہ یہ میری اپنی ہی
اندر کی آواز ہو

☆

پہچان

میں نہیں پہچان سکا تھا ...... اُسے !!
جو مجھ سے بہت دوٗر تھا...... بہت ہی دوٗر
جو آرہا ہے بہت دوٗر سے
بہت ہی مدتوں کے بعد
آنسوؤں کے زمزمات...... بہاتے ہوئے
روتے ہوئے
جو آرہا ہے کوئی شعلہ فِشاں
نود خواں کوئی نالہ فغاں
اور ہوسکتا ہے! کہ وہ
میں ہی ہوں

☆

ذُوالجلال[1]

وَکُل ذُوالجلال!!
یہ بیکراں حُسنِ جمال
بے مِثال و باکمال
یہ لامحدُود سوال
ایک وسیع اِصطِلاح
ذُوالجلال
ایک نازک حس
غیر مرئی عشق
وحدت و کثرت میں جلوہ گر
فِی کُلِ شَیٍ مَحیط ...... وعلیٰ کُلِ شیٍ مَحِیط
ذُوالجلال
اِک دائمی و ابدی حرکت

نازک اور حساس حرکت
حرکت کا جلال آفرین قانون
ہے جُزو کُل میں رواں دواں
شاخ در شاخ، پیچ در پیچ
جلوہ فگن ذوالجلال
آغاز و انجام کی آنکھ مچولی
فنا و بقا کا قیدی
''کمیت و کیفیت'' کا متلاشی
بیج کا ایک دانہ
جسے زمین کا انتظار ہے
اور زمین کو بیج کا انتظار
یہیں سے وصالِ حسن و عشق
فطرت پہ محیط......ذوالجلال

☆

ا ۔ کیفیت

کُن[1] فیکون[2]

ہے لَا ہی لَا "نفعی درنفعی" یہ خلائے بیکراں
جس لَا میں اِثبات اِلَا ہے وجُودِ کُل کا راز
حرکت آفرین ہے! حرکت درحرکت پہ وحدت
وحدت درکثرت درجُزو کُل حرکت کا ساز
وجُود مادے کا تھا، جو بے ابتدائے ازل سے موجُود
ہے لَا فنا اصل اُلا صل در ہر گردش انجام وآغاز
تغیر پذیر ہے اصل بہ وصلِ نباتاب وحیوانات
مائل بہ ارتقا ہے زندگی ہر اشکال میں بہر انداز
سوز یہ سازِ اِلَا للّٰہ کا بسیط و محیط راز
گونجتی ہے گردش کائنات سے کُن فیکون کی آواز

۱۔ حکم، کائناتی حرکت کی نفی اثبات کا ابدی قانون
۲۔ تعمیلِ حکم

○

ہے نہیں وحدت کائنات سے بدُون کہیں کوئی شعوُر
سمیع و بصیر وقدیر ہو جو کہیں پہ بہت دوُر
فلسفہ موزوُن ہے جو طفل طبع عوام کیلئے ! اگر
عقل وخرد اور علم خواص کو نہیں ہو بھی منظوُر

○

ڈھونڈو گے کائنات میں کہیں سے کوئی خدا نہ ملے
سوچو تو ہر ذرّے کا ذرّہ بھی حرکت سے جُدا نہ ملے
پکارو خلائے بیکراں میں بُلند آواز سے ! مگر
واپس میں کہیں سے کسی کی کوئی بھی ندا نہ ملے

☆

نا آشنا خودی

سمجھتے نہیں ہو تم نہ لا نہ اِلا للّٰہ !!
جانتے ہو کیسے پھر ! کہ کون وکیسا ہے خُدا
مانتے ہوئے بھی تُم اسے عمل سے مانتے نہیں
مطلب کچھ اور تھا، مُلّا نے کچھ اور پڑھایا
اندھیریاں چھائی ہیں نظر نارسائے منزل ہے
کھو گئی جس میں ادائے کلیم ومسیح و المصطفٰے
عقل ادراک سے قاصر، فکر پرواز سے ہو عاری
تو سمجھو کیا صحیح انداز میں یہ رازِ اِلا اللّٰہ

☆

تہمت ہے محمدؐ پہ اُن کی یہ اُمت مرحوم
روح مرچکی ہے جس کی باقی ہیں مردہ اجسام
جاہل ہیں پیرو مُلا ، ضعیف و ناتواں مقتدی
حریض وغبی ہیں واعظ ناقص خطیب و امام

لفظ مومن کا ہے نہیں معنی کوئی مُسلمان
بلکہ غیؤرو بااخلاق ہو کوئی بھی انسان
یہ بھی نہیں کوئی سامی، آریہ، حبش ہو یا منگول
مذہب وملت سے آزاد بھی ہوتا ہے صاحب ایمان

عقل جو ہے نہیں دکانوں پر
کوئی جاکے خرید کرلائیے
یوں بھی ہیں کچھ وہ کج فہم ایسے
بات جن کو سمجھ نہیں آئیے

کروں میں بات کس سے یاں ابھی انساں نہیں انساں
فقط دیوار ہائے سنگ وخشت وخاک ہیں عیاں
خردمندی میسر ہو نہیں جو ابن آدم کو
پریشاں ہو کے کھو جائے کہیں اجسام میں انسان

☆

منزل ہے کہاں

میرے زمزماتِ فکر کو
ملتی ہی نہیں
قلم کی زبان
زبان کو عطا نہیں کلامِ دُرافشان
خیال شاعر کے ہیں پریشان
مرے اندر کا ادیب رازدان
اور خطیب ہے سرگردان
تو کیا لکھوں؟
کیوں لکھوں؟
کیسے لکھوں؟
اور کس لئے؟
کون پڑھے؟
کسے فرصت ہے؟

دُنیا جو بھاگ رہی ہے
بھاگ رہا ہے کون و مکان
تاریخ کی رفتار ہے تیز
دوڑا بھاگی، بھاگا دوڑی
ہر کسی کا ہے...... کام
کسے معلوم کیا رہا تھا
اپنے باپ کا نام
دوڑا جو دوڑ کے آگے نکلا
ٹھہرا تو ٹھہرے بچھڑ گیا
پھر کسے معلوم...... کہ وہ
اپنی منزل ہے کہاں

☆

کیا مانگا کیا مِلا ؟

دُعا مانگی تھی میں نے
حضورِ نورِ محترم کی
مقدّس بارگاہ میں
ایک غلام قوم کی
آزادی و عظمت کے لئے
جذبۂ حریت و حمیت کے لئے
مانگا تھا میں نے
اِک خیالِ دل آزاو دلنواز
تاب و توانِ وشعلہ فشاں ......عزمِ صمیم
جو نہیں ملا......تو ملا
بنامِ آزادی بطرزِ جمہوریت
ایک وہ نظامِ زرگری
جنگ در چنگ زرگری

ملا تو بس یہی ملا
تحفۂ پُر فریب یہی
سرمایہ کی آزادی
جمہوریت کی بازیگری

جو چھین لے گی ہم سے
ہمارے انسانی ضمیر کو
کردار اور خمیر کو
ایمان اور انصاف کو
روحِ انسانیت کی تمام
عظمتوں کو
رحمتوں کو
اور برکتوں کو
ہم سے چھین ہی لے گی

☆

گیت اِتحاد کا سُناؤ

چودھویں پارٹی کانگریس کے موقعہ پر ۱۰ مارچ ۱۹۸۹ء
کلکتہ کے مشاعرے میں پڑھی گئی آزاد نظم

سلام اے ارض بنگال
تجھے میرے وطن کا سلام
فردوس نظر زمین کاشمر کا سلام
گلمرگ اور پہلگام کا سلام
زیر دامان طوفان بہ پا سمندر
لب بحر بنگال کی عظیم دھرتی
گہوارۂ تہذیب و تاریخ قدیم
اِشو گھوش کا وطن
نیتاجی بوسؔ کی جنم بھومی
شعلہ بیان بھوپیش کا گھر

قومی ترانہ کے خالق مہا کوی
ٹیگور کی جنم بھومی
وہ دھرتی جس نے آتش نوا شاعر
نذرؔل کو جنم دیا گود لیا
جن کی نظمیں ، گیت اور غزل
اب بھی دلوں کو گرماتی ہیں
دوُر صحراؤں میں بیابانوں میں

وہ منظوم شورش
زلزلے، بھونچال، شعلہ بار طوفان
کڑکتی بجلیاں، گرجتے بادل
طلاطم، آگ وبارؤر کی آتش نوائی
اور بادو باراں بہاراں
کون ہو؟ جو سحر بنگال سے مسحوُر نہ ہو
اور زلفِ بنگال کا اسیر نہ ہو
ہم بھی تو اسیرِ دام محبت ہیں
آثار و عظمت بنگال کے

جس کی راجدھانی ''کالی کتھا'' کی معرفت
کلکتہ، دنیا کا ایک مشہور شہر
دولت و عشرت کا عالم عُلیا
غربت و افلاس کا عالم سِفلی
جہاں دیار ہند کی ایک
کھوئی ہوئی امانت ہے
ایک مقدس امانت......ایک بازگشت آواز
ایک باترنم گیت ...... جو انسانوں کے
اسی جنگل سے گونج اُٹھ سکتا ہے
نغمہ سرا ہو کر گونج اُٹھیں گے پھر
تمام جنگل میدان اور کوہسار
ترانہ ریز ہو کر گائینگے سب
طما بیران چمن صبح نو کا گیت
وہی انقلاب ہند کا نغمہ
امانت کا وہی مقدس گیت
جس کے لئے بنگال کی عظیم دھرتی کو

میرے وطن کا سلام ہو
رہنمائے بنگال جیوتی بابو کو
ان کے ساتھی انقلابیوں کو
جنت نظیر کشمیر کے زعفراں زاروں کا سلام ہو
لل سلام اور بعد از سلام

بس ایک آرزو
ایک اِلتجا ...... وقت کا تقاضہ
کہ گاو بھولا ہوا وہ پرانا
کھویا ہوا مقدّس گیت
اتحاد و یکجہتی کا گیت سناؤ
اور گاؤ پھر ''دیپک راگ'' کا مقام
جس سے چراغ جل اُٹھیں روشنی ہوسکے
گلشن میں چراغاں ہوسکے
تب ہم مل کے گائینگے سب...... ''ملہار کا راگ''
جس سے رحمتوں کی بارشیں برسیں گی
اور پیاسی دھرتی کی سوکھی کھیتیں

گلستان بنکے لہلائینگی
گاؤ کاروان انقلاب ہند کا
وہی ترانہ وہی نغمہ
سُنا و اتحاد ویکجہتی کا گیت وہی
صبح بہاراں کا انقلاب آفرین نغمہ
سُناؤ ...... گاو اورچھیڑ دو ترانہ

☆

درد اور آزار کے بعد

کوئی بھی نظم
کسی بھی شعر کا جنم
کوئی بھی تخلیقی عمل
مثلِ آزارِ وضع حمل
درد جو وضع آزارِ حمل
رُلا دیتا ہے
اُٹھا لیتا ہے
بٹھا دیتا ہے
اِک نئے انسان کو
جنم دینے والی ماں کو
شاعر کو ادیب کو
اور کسی بھی صنم گیر کو

پھر جنم لیتا ہے
ایک نیا انسان
ایک نئی نظم
کوئی عظیم شعر
موجد کی نئی ایجاد
اور فنکار کی صنم گیری
فکر و خیال کی سبز پری
عالم لہُو کے اندر
اپنے ایک نئے وجود میں
مگر اِک ذہنی عذاب
درد اور آزار کے بعد

نئی دہلی نومبر ۱۹۸۳ء

☆

شامِ غم

جوانسان فرزند محبوب الزمان کے دل کا آپریشن ہونے
کے بعد انکی بے ہوشی کی حالت سے متاثرہ نظم

اے دِل غمگین ترا لختِ جگر
دوُر ہے تجھ سے اسے واپس بُلا
ہے اگر تیری دُعاؤں میں اثر
اب بھی باقی !معجزہ کچھ کر دِکھا
جاگ اے رازِ نہاں اے سازِ دل
یہ گھڑی مشکل ہے کوئی حل بتا
اے دِلِ دِل دِل جانِ دِل پھر بھی سنبھل
پھر مچل ہاں پھر سنبھل حرکت میں آ

موجزن ہو شفقت پدری ذرا
ہاتھ لا اس گرتے بچے کو اُٹھا
او میرے محبوب آنکھیں کھول دے
غمزدہ رنجور کو یوں مت رُلا

نئی دلی ۸نومبر شام ۱۹۸۳ء

☆

لمحۂ غم کے وقت

مقیم الدین فاروقیؔ کے نام

مرے ہم نوا و ہمراز
مرے ہم ساز و ہم آواز
مرے غمخوار و دمساز
رفیق محترم...... لمحہ وہ یاد ہے مجھے
جب احساس ہوا تجھے
کہ دل دوست ہے کچھ مغموم
فکر و تردد و تجسس میں مغموم
جس لمحہ میرے نورِ نظر محبوبؔ کے
کھلے دل کا آپریشن ہو رہا تھا
اور اُسی لمحہ آپ نے اپنے

مضراب سے میرے ساز دروں کو
یوں ہی چھیڑا اور چھیڑ کے
ترانہ ریز بنایا
فلسفۂ علم وحکمت کی دُھن میں
کلام انگیز بنایا
جس بحث و تمحیص کی آغاز سے
سقراط و فلاطون اور ارسطو
فیر باخ وہیگل و مارکس کے
متضاد و متفرق نظریات کے
سوالات میں اُلجھا کر
محوِ کلام وگفتگو بنا کر
مجھے مرے لمحۂ غم سے
کہیں دُور لے گئے

اے بھون نئی دلی ......۱۰ نومبر ۱۹۸۳ء

☆

فریڈرک اِینگلس

وہ مردِ مولا
وہ مفکر و فلسفی
عالم و عامل وہ رہبر و مُربّی
جس نے خلوص و ایثار و محنت سے
تالیف و ترتیب تصنیف میں
دستگیری کی ہے
جہانِ نو کے پیامبر کی
تھے اُن کے عظیم شفیق
اور رفیق بھی وہ
اتنے رفیق کہ اپنی
مثال ہیں رفاقت کی

☆

شبِ غم

جوانسان محبوب الزمان کے انتقال پر

اے دلِ غمگین بتا یہ کیا ہوا؟
جا کے واپس آکے وہ کیوں چل دیا
بزم ہستی میں دِل دِل جانِ دِل
جو سنبھل کے اُٹھ گیا پھر رُک گیا
دِلی سے جو دِلربا تا کاشمر
اِک ترانہ گاکے خاموش ہوگیا
تھا جواں محبوب محبوبُ لزماں
سوگیا سارا زمانہ روپڑا
ہیں سبھی احباب و اغیار اشکریز
خوشنوا محبوب جن کا چل بسا
لالہ و گُل ہیں گلستان سوگوار
جن سے اک سرِوخرامان چھن گیا

۸دسمبر ۱۹۸۳ء

ڈاکٹر طاہر مرزا

باتیں کرتا ہی رہتا ہوں
ہرمحفل و ہر مجلس میں
ہر ایثار وہر اخلاص کی
فقر و درویشی اِستغنا کی
صبر و قناعت و جرؤت کی
افضل و اعلیٰ فضلیت کی
باتیں کرتے ہی رہتا ہوں
ذہن میں کوئی اک تصویر ہے
کسی آبوذر غفاری کی
جن کی شرافت و سادگی کی
باتیں کرتے ہی رہتاہوں
ایک دن خواب میں دیکھا تو

پرانی اِک کمبل اوڑھے تھے
جھانک کے دیکھا تو پہچانا
یہ تو طاہر مرزا[1] تھے
سلام کیا تو کھولی آنکھ
بولے میں تو زندہ ہوں
کردار واخلاق زندہ ہیں
زندہ رہو بھئی زندہ ہو
میں تجھ کو سلام کرتا ہوں

[1] مشہور ڈاکٹر، ایک صفا قلندر درویش صفت، حقیقی انسان۔

مُجرِم

اُٹھاکے رنج وغم، ستم مصائب والام
ہوئی نہیں ہے کبھی یہ زندگی میری نیلام
ہوں قوم وطن کے سامنے میں رستگار
کر کے خدمت میں اپنی اولاد کے حقوق بھی نثار
ہے اعتراف جُرم کا اپنی اولاد سے ضرور
پھانسی سزا سنائیں، مُجرم کو وہ بھی منظور
مُجرِم نہیں ہوں قوم کا نہ عوام کے پاس مُجرِم
مُجرِم ہوں اپنی اولاد کا حق ناشناس مُجرِم

نئی دلی، نومبر ۱۹۸۳

☆

خضر کی آواز

زمانہ تسخیر زمین کا نہیں یہ دور خلائی ہے
نظر جو گئی ہے انساں کی بہت دور پرواز میں

کچھ وہ ایسے نظر باز بھی ہیں نظر کے غریب ویسے
فکر کو قید رکھتے ہیں جو فقط وہاں حجاز میں

کون آکے سمجھائے اب عقل کے ان غریبوں کو
زمانہ کہیں سے کہیں محوِ سفر ہے فکر کے نئے انداز میں

تھے تو اہل یثرب بھی کبھی اتنے غیورو با اخلاق
شہرت تھی جن کی بہت دور تک نشیب و فراز میں

نام لیوا ہیں جن کے کچھ اب بھی کام اُن کے ہیں کچھ اور
وعظ دیتے ہیں جو! مگر کرائیے پر ہر نماز میں

وہ بھی کچھ ہیں کہ اس زمانے کے رہبر ایسے
عظمت اپنی جو رکھتے ہیں فقط ریش دراز میں

نام لیتے ہیں جو جماعت کا اور اسلام کا بھی
کام کرتے ہیں مگر سامراج کے اسی انداز میں

دیکھ صحرا سے بُلا رہاہے کوئی اے جہاں والو
آؤ یہ ندا سُن کے بھی جاو خضر کی آواز میں

○

دین فروشی کا ہی صلہ ہے یہ مُلاّ کی لباس
جبہ و دستار کی یہ شان یہ ریش دراز

دینِ مُلاّ میں کہیں تلقین ایمان ہے نہیں
وعظ ہے روز ونماز اور مُدعا نذر ونیاز

☆

ایک غیر مادی تجارت

پیشہ ور بے سیم وزر سوداگران
دین ومذہب کے یہ نامی تاجران
مال جن کے پاس ہے اللہ کا نام
پھر رسولؐ کا نام اور اُن کا قرآن
بس اِسی عظمت وفضیلت کو لئے
جو مساجد کو بنائیے ہیں دکان
بِکتے ہیں ''آیت'' ہزاروں کے عوض
جھوٹ کے فتوئے سنا کر مفتیان
دولت و دنیا کے یہ میر وکبیر
میر کہلاتے ہیں جو میر واعظان
رہے گئی باقی ہے اب یہ زرگری
دین و مذہب کی یہ سوداگری

تھے کبھی مندر و مساجد ہی
پوجا و عبادت کے گھر
بنائیں ہیں برہمن و مُلّا نے
اب جو فسادات کے گھر
واسطۂ دین و دھرم کے
مارے جاتے ہیں انسان
رہیں گے اب یہ مذاہب
بس تضادات کے گھر
بکھر گئی ہے عظمت انسان کی یارب
بھول گیا ہے انسان اپنا عظیم منصب

گذرے ہیں رنج و آلام ومصائب کی راہوں سے اگر ہم
تھا سفر دشوار مگر ہم نے راہِ و فا کو چھوڑا نہیں
دور ہے منزل کی سبب اگر تھک ہار بھی گئے ہمسفر
چلتے رہے ہم خزاماں سہی! پر چلنے سے مُنہ موڑا نہیں

صبحِ کاذِب کے عینی گواہ ہیں ہم بھی
جو دیکھتے ہیں ! وہی سر بام کہتے ہیں
ہمعصر کچھ ایسے بھی ہیں صاحب نظر
جو شام کو صبح! اور صبح کو شام کہتے ہیں

☆

پہچان کی پہچان

ایک تبصرہ

گمنام اَدیب

تیج بہادُر بھان کے نام ......سلام

ہے سلام

میرا سلام

درد وخلوص اور قدر و احترام کا سلام

اسلام اے دوست تجھ کو آفرین

مرحبا صدمرحبا صدآفرین

ہاں کہ تونے علم و حکمت کے لئے

ڈھونڈ لائی ہے ادائے دلنشین

آج عید کا دن ہے

دوستوں کو یاد کرنے کا دن

مبارکباد دینے کا دن
اور اسی دن علی الصباح
سب سے پہلے میں تمہیں
اور تمہاری خرد مندی کو
کدو کاوش کو
تجسس اور جستجو کو
مبارکباد دیتا ہوں

''پہچان'' نام کی مختصر ، مگر ایک
آپ کی مبسوط تخلیق ہے
جو آئینہ دار ہے! فلسفیانہ
علم و ادب کے اظہار کی
جس میں، محتاج تفسیر و تشریح
دافیق فلسفہ مادیات کو
عطا ہوگیا ہے ، طرز
بیان کا آسان ترین فن
اور فن کو مل گئی ہے

عام بول چال کی زبان
''پہچان'' جو گران قدر تحفہ آپنے
فکر و نظر کے متلاشی
اپنے رنجور کو کل ہی پیش کیا
جس کی روشنی میں! اس گھمبیر گردِ غبار کی
اندھیریوں کے پیچھے
علم و ادب کے در آگہی سے
اسرار و رموز دہریت کے
ایک اور مریض عشق کو
پہچان لیا گیا اور
پہچان کی پہچان
تاریخ کا مسافر انسان

ستمبر۱۹۸۲ء

☆

انسان کی دھرتی

کتنی حسین ہے یہ دھرتی
انسان کی پیاری دھرتی
انسان کی دُنیا
انسان کا گھر......جو شمال سے جنوب تک
مشرق سے مغرب تک
یورپ، اشیاء وافریقہ
اورامریکہ جیسے براعظموں کے
اسماء سے موسوم ہے
انسان کا مسکن
انسان کا وطن
انسانی تاریخ وتہذیب کا گہوارہ

علوم وفنون وتمدن کا گہوارہ

خزینہ حکمت ودانائی کا گہوارہ

مگر مجبور و جابر زندگی کا اکھاڑا

ہماری دُنیا

سیارۂ زمین

کہ جس کے یہ شاداب میدان

دلنشین گلستان

پُرسکون کوہستان

سرسبز جنگل

خاموش پہاڑ

دلفریب وادیاں

خوشنما باغ

آزاد صحرا

آباد بستیاں

اُبلتے ہوئے چشمے

بہتے ہوئے دریا

گرجتے آبشار
حُسنِ فطرت کے پُر بہار
قدرت کے یہ دلکش مناظر
جو کھٹکتے ہیں
امن وخوشحالی کے دشمن
بدخواہ ابلیس کی آنکھوں میں
آج کے سفید شیطان
لعین سامراج کی آنکھوں میں
جو ایک عالمگیر غارتگری کی
نیوکلیائی جنگ کی تباہی سے
ہمارے اس سیارۂ زمین کو
لامنتہائی گرد وغبار کی آندھی میں
درپئے فنا ہے...... مگر ہم ہیں کہ جو
ایسا نہیں ہونے دیں گے

نئی دلی نومبر ۱۹۸۳ء

☆

آج کی عبادت

السلام اے فرزندان آدم......السلام
السلام اے ساکنانِ عام......السلام
پیروان کلیم و مسیح
مداحان چشتی و نانکؒ
شیدایانِ رسولؐ السلام......السلام
آؤ تو پھر بھی یاد کریں!!
امن اور سلامتی کا پیغام
عظیم پیمبران و مرسُلان کا پیغام!!
ریشیوں، مینوں اور اوتاروں کا پیغام!
مہاتما بدھ اور مہاویر جین کا پیغام
زرتشت و کنفیوشس کا پیغام
کہ جن سے ملا ہے

زندگی اور انسانیت کو...... بقائے دوام

آؤ دنیا کے امن پسندو

آؤ یاد کریں

آؤ التجا کریں

اور دُعا کریں...... اہل عالم کی سلامتی کے لئے

امن عالم کی حفاظت کے لئے

اپنی کوششوں کو...... یکجا کریں

پھر پاگل اور بدمست...... جنگباز جنونیوں کو

لگام دے کر روک دیں

زندگی اور انسانیت کو

بچالیں

جو آج کی سب سے بڑی ریاضت

بہت بڑی عبادت

ہے! خُدا کی خوشنودی

کہ امن کے لئے جہاد کریں

زندگی کو خُدا کی دنیا کو

تا دوام ہمیشہ کے لئے
نیوکلیائی ہتھیاروں کی
جنگوں سے بچالیں
جو آج کی سب سے بڑی عبادت ہے

نئی دلی نومبر ۱۹۸۳ء

☆

ندائے امن

دل بدبختی کہ مشرف بہ علم و حکمت یہ انسان
لئے بیٹھا ہے جوہری سامان سے خود اپنی تباہی کا انداز
گونجتی ہے مگر گردش ارض و سماء سے ندائے امن کی آواز
مضمر ہے کہ جس میں بقائے نظام وحدت کا راز

☆

خط کے جواب میں

محمد یوسف ٹینگ کے

جنہیں ناکردہ جرم کے نام پاداش کبھی عجائب گھر کے جسؤ د سنگین کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا

وجودِ ادیب کا قید ہو کہیں بھی! مگر
خیالوں کو بیڑیاں پہنائیں ہیں کس نے؟
متاعِ لوح وقلم نہ چھن جائے تو غم ہے کیا
چمکتے چاند کی روشنیاں چھپائیں ہیں کس نے؟
مانا کہ اہل قلم بھی مقید ہوتے ہیں
علم و آگہی پہ مگر فتحیں پائیں ہیں کس نے؟
محوِ پرواز ہو عقاب کی رؤح اگر

کون روکے اُسے، کمندیں لگائیں ہیں کس نے؟
دوست یہ بتا کہ "تم وہ نہیں ہو"، تو پھر
آتشِ چنار کی چنگاریاں سُلگائیں ہیں کس نے

اکتوبر ۱۹۸۶ء

☆

○

گئی اُمید تو گئی دُنیا بھی گئی
رہی اُمید باقی تو زندگی باقی ہے
جیئے ہیں مرمر کے ہم جس سہارے سے
اُمید نام کا ہی وہ جام ہے وہ ساقی ہے

☆

مادہ

بے ابتدا ازلی ولافانی ہے

تھا جو بے اِبتدائے ازل سے موجود
فقط مادہ ہے مادے کا ٹھوس وجود
مادہ جو ہوا نہیں ہے کبھی عدم سے بود
رہے گا انتہائے ابد تک بود اور موجود

☆

حرکت

ایک مربوط وباشعور کائناتی قانون

مادہ لازِم ہے ، حرکت ہے جس کی ملزوم
حرکت حاکم ہے مادے پہ، مادہ ہے محکوم
جڑواں ہیں بے ابتدائے ازل سے دونوں
جُدا ہونگے نہیں کبھی نہ ہونگے کبھی معدوم

دہریّت[1]

کلید علم دہریّت سے درِ آگہی کھُلا
کھُلا تو کھُل کے رازِ خفی وجلی بھی کھُلا
نظر جو بے ابتدائے ازل و لا انتہائے ابد سے گزری
تو راز حرکت وجودِ وحدتِ کائنات بھی کھلا

☆

○

علم وآگہی کا ہی نام تو دہریّت ہے!
بنیاد پہ جس کی وہ فلسفہٗ مادیت ہے!
ملتا ہے عقل وشعور کو جہاں سے ادراک
حرکت میں کیسے یہ کائنات کی وحدت ہے

1. عالمیت وعالم کی سمجھداری علم کُل

یہ دردِ دل

کوئی ساٹھ بہاریں دیکھ کے ہی
ہوا تھا بالغ جواں
دیکھا جو اپنے سینے میں ....تو دِل کو مریض پایا
بوجھ بھاری ہی اُٹھالایا ہوں
اپنے کندھوں پر
کام کی اپنی دنیا کو جب..........وسیع وعریض پایا

بدن کا جزوِ اعظم پاو بھر کا لوتھڑا یہ دل
نہ ہو گر ٹھیک تو کیسے جسم کو لیکے چل پائے
یہی ہے کیفیت میری یہی ہے ماجرا میرا
دِل پُر دردِ مَن مجھ سے دغا دیکے نہ رُک جائے

○

دُعا بھیجی ہے مرے لئے
اِک معمر بزرگ نے بھی
کہ اُن کی ہی جیسی صحت...........خدا مجھے بھی عطا کرے
جیئے ہیں صحت کے خوش نصیب
چلو اپنے ہی لئے سہی
خدا اُن کو بھی ہماری طرح دِل...........اور دل کو درد بھی عطا کرے

○

کوئی پہچانتا ہی نہیں کہ کون ہیں وہ مردِ مسافر
بدبختی یہی ہے اُن کی! جو پڑے ہیں ابھی نظر سے دُور
نظر نا ساز زمانہ ہے کہ جس میں آئے وہ
قلندر آدمی یوں نام کہلاتا ہے جو رنجور

ٹوٹتے بھی ہیں مگر جُھکتے نہیں
سامنے باطل کے مردانِ غیور
اہلِ حق مرتے ہیں حق کے واسطے
نام جن کے زندہ رہتے ہیں ضرور

مرے ہاتھوں میں رعشہ ہے قلم جو ہلتا ہے
زباں قلم کی اگر اِدھر اُدھر بھی بکھرتی ہے
قلم ہلتا ہے ہلتے ہلتے پھر بھی چلتا ہے
عبارت خونِ جگر سے لکھی کاغذ پہ اُبھرتی ہے
پڑھے گا کون یہ لکھتا ہے کیا رنجور
لرزتی اُنگلیاں جو لکھنے سے ہیں معذور

گئی میری بہت تھوڑی رہی ہے
ذرا ٹھہرے بھی ، ہیں کچھ کام باقی
حسین آغاز چھیڑی ہے چمن میں
کہ جس کا ہے ابھی انجام باقی

رُک نہیں سکتی رکائے نہ رُکے
یہ ہوا چلتی ہے ، جو سوئے عدم
ہے اصل کو نقل کی پھر جستجو
محوِ گردش جزو کُل ہیں دمبدم

○

فیض ! فیض آسمانِ شاعری
کا ستارہ تھا جو وہ گم ہوگیا
سال انیس سو چر اسی اختتام
تھا جناب فیض گُھم ہوگیا

۱۹۸۴ء

☆

مسیح کا تصوّر

ہر بسنت کی رُت میں
ہر باغ و بہاراں میں
ہر فصلِ گُل کے ساتھ
ایک لیسوع بھی کھل اُٹھتا ہے
لالہ وگُل کی طرح
کِھل اُٹھتا ہے یُسوعؔ
کچھ کہنے کے لئے
تو کہتا بھی ہے
جو سنتا بھی نہیں کوئی
کوئی دھیان نہیں دیتا
کوئی سمجھ نہیں سکتا

کوئی پہچان نہیں سکتا
جب کوہ دمن ودشت وصحرا!
اور بیاباں سرگوشیاں کرنے لگتے ہیں
تب یسوعؑ بھی جواں ہونے لگتا ہے
شباب چمن لئے
فصلِ گل کے ساتھ
گانے لگتا ہے ترانہ ریز ہو کر
اپنی مسیحانہ ترنم سے
بادخزاں کی آمد آمد کے ساتھ
جب موت کے سائے پھیل جاتے ہیں
تب پتے گرتے ہیں پھول مُرجھاتے ہیں
اور گلستاں پر مُردنی چھا جاتی ہے
تب یُسوع کو بھی......مصلوب کیا جاتا
پھر مسیح کا تصّور جی اُٹھتا ہے

☆

مکالمہ

سرسوتی اور انسان کا

عقلِ سلیم کی عظمت............وہ
پیکرِ حُسن و جمال کی نگاہ
سرسوتی
جو میرے آمد پر............میرا استقبال کرتی ہے
ہنستی، مسکراتی پھول برساتی ہوئی
مجھ سے کہتی ہے......ہاں بابا ہاں
انقلاب اور خدا
تمہاری خواہش کے ساتھ ہیں
تمہاری خواہش کی مضبوط طاقت
تمہارے ساتھ میں ساتھ ہے
جب بھی تم آئے ہو اس طرف

شدید گرمیوں میں
یا......جھاڑوں میں
تو تمہارے آنے پر......تمہارے ساتھ
ایک خوشگوار تبدیلی بھی آتی ہے
گرمیوں میں......بادل چھا جاتے ہیں
اور گرجتے ہیں
بجلیاں کڑتی ہیں
پھر برستی ہیں بارشیں ابر نیساں کی
تب ہوتی ہے فضا
خوشگوار تمہارے لئے
اس لئے کہ تم دیوتا ہے
تب ہی تمہارے ساتھ ہیں
خدا اور انقلاب بھی

☆

○

تم بار بار......اور ہر بار
یہی کہتی رہتی ہو......کہ
تم دیوتا ہو خدا تمہارے ساتھ ہے
انقلاب تمہارے ساتھ ہے
نہیں سرسوتی ماں نہیں
میں دیوتا نہیں، انسان ہوں
صرف ایک انسان......جو دیوتا نہیں
فقط ایک انسان ہوں
مانو تو مانو بھی، کوہِ ندا کی
ایک وہ آواز ہوں
جو گونجتی رہی ہے ہر سمے
مگر سُنی نہیں جاتی

دیکھی جاسکتی ہے
دشت وجبل سے
لالہ زاروں سے
کوہساروں سے
صاف وشفاف آبشاروں سے
سرسوتی نے پھر کہا
مگر ریگزاروں سے بھی
صحراؤں اور خارزاروں سے
سُنی گئی اور دیکھی بھی گئی
کوہِ ''ندا'' کی وہ آواز
جو گونجتی ہے......ہم نے سنی ہے......ہم نے دیکھی ہے
جب تپتی دھوپ کی گرمی میں آئے
تب ٹھنڈی ہوا کی آندھیاں چلیں
جب ہمارے خیمے پھرپھڑاتے ہی اُڑنے لگے
تب کہا تھا میں نے......اے دیوتا
یہ کیا؟......شمال سے جنوب کو آتے

بادِشمال کو بھی اپنے ساتھ لے آیئے
ذرا روک بھی دو
اس طوفان کو
جب تم مسکرائے
اپنے پاؤں پر نظر جما کر
تب رُک گئی طوفان آندھی
اور موسم خوشگوار ہوا
تمہارے لئے......پھر ہمارے لئے
اس لئے کہ......خدا تمہارے ساتھ ہے
اور تمہاری خواہش کی عظیم طاقت بھی
تمہاری ہی جھولی میں ہے

جون ۱۹۸۸ء

☆

یہ سنگلاخ

اس صحرا کی زمین
کبھی زرخیز تھی اور انسان خیز بھی
جو بدل گئی ہے اب اس اُجڑے ہوئے
سنگلاخ کی صحرا میں
جس میں بے مقصد کی
یہ گھاس پھوس ہی اُگ آئی ہے
اور یہ خاردار جھاڑیاں
جنہیں توڑتے اُکھاڑتے، کاٹتے اور پھینکتے ہوئے
میرے کدال کا دستہ ہی ٹوٹ گیا
میرا بدن پسینوں میں شرابور ہوگیا
اور میں تھک گیا
تھک کے نیند بھی آئی ہے مجھے
ذرا ٹھہرو بھی

میں ایک دم کے لئے
اپنی ماں کی گود میں
ذرا گہری نیند سو جاؤں
تب تازہ دم ہو کر
اپنا تار تار ہوا پیرہن
بدل کر اک نیا کدال لیکر
پھر واپس آ جاؤں
اک نیا بھیس بدل کر
نئی طاقت توانائی لیکر
اس سنگلاخ کو توڑنے کیلئے
پھر واپس آ جاؤں

☆

انتہا ابتداء کی طرف

زیرِ دامان کوہ مقدس
تہذیب وتاریخ کے
اس عظیم عالمی شہر کی
رواں دواں شاہراہ پر
شام ہوتے ہوتے
شورِ محشر کا...... جانے
یہ ماجرا کیا ہے؟
کوئی جانتا نہیں...... کسی کو
مانتا نہیں کوئی...... کسی کا
پہچانتا بھی نہیں...... کوئی کسی کو
سنتا نہیں کوئی، سناتا بھی نہیں
یہ ماجرا کیا ہے؟
شور شرابے میں

ڈھینگا مشتی ہے

بھا گا دوڑی ہے!

اور دوڑ ا بھا گی میں

ہر چہرے پر غصہ ہے

غضب ہے، شرارت ہے

آنکھوں میں خونین بہاؤ

انسان کی روح پر

مایوسی ہے نا اُمیدی ہے

کسی کو مارا گیا

کوئی مرا ہے

کسی کا لہو گرا

دیکھی جاتی ہے......مگر

اس شاہراہ کے کنارے

سرِ بام اِدھر

کوئی حسین و جمیل دوشیزہ

مقتول کی بہن

عظیم سرسوتی

جوزاروقطیا رورہی ہے
اور بین کرتی ہوئی کہتی ہے

ہاں مارا گیا
میرے بھائی کو انسان کو
انسانیت کی روح کو
مارا گیا، قتل کیا گیا، خون کر کے
رخصت ہوا خدا کا آخری خلیفہ
خلیفۂ عالم کا یہ آخری جنازہ
اُٹھا دو......اور سنو
بالائے کوہِ ندا کے اُس نورانی چہرہ
بزرگِ محترم خضرؑ کی آواز

☆

کِنایاتِ زمزمات

اور آنکھیں بھی ہیں
تمہیں...... مگر کیسی ہیں
جو پھاڑ پھاڑ کے...... دیکھتیں ہیں
معلوم نہیں کیا؟
جو آنکھیں نہیں ہیں
مگر...... ہیں آنکھیں
نظر سے محروم...... جو دیکھ نہیں
سکتیں! جو دیکھنا تھا

☆

اور کان بھی ہیں

تمہیں......مگر نہیں ہیں
جو تھک گئے ہیں......اس نقار خانے میں
سُنتے سُنتے ہی
معلوم نہیں کیا؟

جو کان نہیں ہیں
مگر......دیکھنے میں یہ
کان ہی ہیں......بہرے کان! جو
سُن نہ سکے ہیں
وہ جو سننا تھا

☆

اور یہ تمہاری زبان

کیسی زبان ہے؟......مگر یہی وہ زبان
جو بولتے بولتے
واہیات و کفر و جہل
اب گونگی ہوگئی ہے
اور یہ زبان اب
قاصر ہے!......بولنے سے! کوئی
حق کی بات
باطل کے خلاف
جو گونگی ہوگئی ہے

☆

○

اور یہ تمہاری زندگی

زندگی بھی ہے کیا؟............جو زندہ ہوتی ہے
زندگی کے لئے
گوش بر آواز

حق و صداقت کے لئے
مگر نہیں ہے یہ............وہ زندگی!
جس میں ہوتی ہے
ایک زندہ روح

تابندہ روح
جسم کی شان......اور یہ تمہارے اجسام
نظر آتے ہیں

☆

روح انفاس کے زیرِ دام
مبتلائے مرضِ دوام
زیرِ دام کفر و جہل واوہام
اوراب بھی تم......وہی ہو کیا؟
جو ہزار بار کبھی
سُن ہی نہ سکے......کلامِ ضربِ مسیح
سنیں وہ کیا؟
جو پھونک کے روح
زندہ ہو نہ سکے...... پیامِ ضربِ مسیح

☆

○

سکون میں ہزاروں طوفان ہیں
اور خاموشیوں میں لاکھوں ہنگامے
شکل کے ساتھ عقل بھی
اِک حادثہ جانفرا سے کم نہیں
دیوار سنتی بھی ہے
اور تصویر دیکھتی بھی

☆

سُن اے جویائے راز
رازِ کائنات کے متلاشی
تو جانتا نہیں ......تو سُنتا بھی ہے کیا؟
وہ کوہِ ''ندا'' کی آواز
سازِ کُن فیکُن کی آواز
جہاں پھوٹتی ہے...... وہیں پہ قید ہیں
رازِ ازل اور ابد بھی
چل پڑو گے تو بہت دور
سمجھو گے تو چشم زدن میں

☆

قصہ کلیم طور جو باز یافت ہے
عقل وخرد کو جو درد آشنا بھی ہو
عقلِ کُل کا درد آشنا دِل

ایک اتھاہ سمندر
پر فکر آدم ہے، ایک جوی کم آب
عقل کی پرواز ہی سے
فرش خاک پر ہی
عرش افلاک کی سیر ہو سکتی ہے
پر عقل وہی ہے
جو فکر کے بحر ناپیدا کنار بہا دے
اپنی ہی فکر نارسا کا نظر فریب ہے منظر
کوئی ساقی بزم، افروز نہیں

☆

ہاں تو زندگی سے
صنم آشنا ہوتے ہی......درد آشنا بھی ہو جا
نہیں تو اس طلسم ہوشربا کے افسانے
لاکھ سر مارو، خاک بھی سمجھ نہ آئیں
پہچانو بھی اپنے سود زیاں کو
پھر تمہارے حسنِ عمل پر
تحسین و آفرین کے پھول برسیں گے

☆

○

افسوس ہے اُس تماشائی پر
جو تماشا گاہ عالم میں
خود بازی گر نہ بنا
بلکہ تماشائی بنا
ہاں اگر چاہ ہے......تو نباہ کی فکر کرو

○

سمجھ سکتی ہے جنس لطیف ہی
وحدت کے لطیف اشاروں کو
فکر لطیف ہی سمجھ سکتی ہے
حقیقت اعلیٰ کے لطیف اشاروں کو

زندگی ہے زندگی

عشق و محبت کا ایک اچھوتا راگ
جو چھڑ جائے تو ہزاروں زمزمات
نغمہ سرا ہو سکتے ہیں

○

ہمارے محدود علوم لامحدود بھی ہیں
پر معراج ہو، جو حسنِ یوسف کو
عطا ہو لحن داوودی بھی

○

لا اِلا لِلّٰہ کا راگ
جُزو کُل میں سحر آفرین ہے

راگ نے مغنی کا شوق دلایا
تب ذرہ ذرے کو ترانہ ریز پایا

○

نغمۂ جبرئیل نہیں ہے یہ
صورِ اسرافیل کی اِک راگ ہے
جو بے ابتدائے ازل سے
لامنتہائے ابد تک
تحت الثر او عرش تک
سوز دُرون وحدت کے
عشق کی اِک آگ ہے

○

جبرئیل نے بُلند آواز سے کہا
غضب ہے تم بہروں نے سُنا نہیں

کہ مسیح و خضر آتے بھی رہے
اور جاتے بھی گئے
اور وہ آئیں گے پھر بھی
اور آتے ہی رہیں گے تا دوام
لیکن سوال یہی ہے
کہ عزازیل کے کتوں کی
اِس کمین گاہ میں
تم بہروُں نے کچھ نہیں سُنا
کچھ نہیں دیکھا کچھ نہیں سمجھا

○

قدرت کا عالم فریب حسن
بوئے گُل اور نغمۂ شیرین
شاخِ گُل پر صدائے بُلبُل
طاہران خوش الحان کی

ترانہ ریزی و نغمہ سرائی
ایک ہی حرکت اولاد لامنتہا کی
کرشمہ سازی ہے
لاکھوں ساز کی کروڑوں آوازیں
باسوز و باترنم
مگر گوش ہر آواز
صدائے کُن فیکون

○

حرم کے دوش پہ غالب!
عقبیٰ کا دم ہے اب بھی
تیرے ٹوٹے ہوئے صوم صلوٰۃ پہ
خیال خام ہے اب بھی
وعدۂ حورو قصور کے تصور
فردوس کا حاوی نام ہے اب بھی

○

تو نے سمجھا ہے بس
تقویم روز و نماز کو ہی دین
دین یہ نہیں ہے دین
دین خدا کا کچھ اور ہے انداز

○

کتنے معصوم ہیں یہ مسیح کے بھیڑ
گھاس چرتے بھی گوشت کھاتے ہیں

○

عبادت نیکیوں کا ذریعہ ہوسکتی ہے
مگر خود نیکی نہیں
سزا تو حُسنِ عمل اور سُوئِ عمل پر منحصر
نہ کہ عبادات کی قلت و کثرت پر

عبادت اعمالِ حسنہ کی
ابتدائی تیار ہے
ریاضت سیقل کی مشق ہے
کوئی منزل نہیں مقام نہیں
بہادروں اور شریفوں کے لئے
کوئی معاوضہ کافی
کوئی انعام نہیں
گنہگار ہے وہ ...... جو
عبادت پر قناعت کرے

☆

○

غرقِ عرفانِ خودی......وہ روح
جو چیخ اُٹھی......ایک بار حکم سنا گئی
اُٹھ کر اے مست جلال جنونِ خودی
لے کے اس مشعل سوزاں سے
اُس......جنت کو آگ لگا دے
جا کے میرے آنسوؤں وخون جگر سے
بھری مشک سے......وہ جلتی اور دہکتی
ہوئی......جہنم کی آگ بھی بجھا دے
تا کہ آزاد ہو پھر! فکر
جزا و سزا سے بڑھ کر
دیکھیں کرے بھی کوئی
بے آرزو عبادت!!
جس کو کہیں سراپا بے لوث عشق و محبت

نہیں ہیں دردِ مداوائے آدم اب
یہ کہنہ روایات ورسوم کی پرستاری
جسے سمجھے ہو تم
اپنے دھرم اور مذہب

وائے دین ودھرم کے یہ
مجنون وسودائی مدعیاں
جانتے ہی نہیں اصل میں
دین کیا ہے؟ اور دھرم کیا؟

نکتہ چین ہے کون یہ
کون ومکاں کا نکتہ چین
مست ہو مجنوں کوئی یہ
آسماں کا نکتہ چین

میں تمہیں لا کی اتھاہ گہرائیوں سے لا کر
اللہ کے وجود رنگ و بو سے
آشنا کر بھی سکتا ہوں
پر تمہاری عقل کے پرواز میں
اتنی سکت بھی ہو
کہ یہ پیچیدہ اور دور و دراز سفر
چشم زدن میں ہی
منزل نصیب ہو سکے

نیست اینجا تلقین شریعت
و تبلیغ پیمبری
اینجا مقام است مقام فقر
درویشی و قلندری

اللہ، یزدان اور بھگوان کا
عینی روحانی اصطلاح
جس کا معنی و مطلب
نمودِ وحدتِ کُل سے الگ
کسی غیر مرئی وجودِ ذات سے
بعینہٖ مراد نہیں
مُراد ہے وحدتِ کُل اور اس کی
رواں حرکت کی جلوہ گری
جو اس عظیم اصطلاح کی
مفصل عبارت ہے

وائے ہم نے کچھ نہ سمجھا خود کو نہ پایا
اس روشنی میں تھی نہیں جو دور یہاں سے

روئیگی پھر تاریخ علم و آگہی کی روح
جب اُٹھ کے چلا جائیگا رنجور یہاں سے

غزلیں

داغ دِل کے لالہ و گُل کی طرح
کِھل اُٹھیں، تب روح گاتی ہے غزل
گونجتی ہیں وادیاں دل کی تمام
سازِ جاں پر سوز لاتی ہے غزل

☆

○

کچھ نہ پوچھ اے دوست کیوں کر کیا ہوا
اِس شہر میں آئیے ہم پر کیا ہوا
پھر بھی اس کانٹوں کے بن میں آئے ہم
دشت و صحرا سے گذر کر کیا ہوا
آئے تھے ہم توڑ دیں خاموشیاں
جب زباں کھولی یہاں یہ شورِ محشر کیا ہوا
ہے بہر سو تیرگی چھائی ہوئی
روشنی کی اس زمیں پر کیا ہوا
زمزمے یہ روشنی کے قمقمے
لیکے رنجور آیا بھی گر کیا ہوا

☆

آشنائے دردِ دِل یہ دردِ سر
دردِ سر جو ہے مرا دردِ جگر
یہ گریباں چاک عریانی مری
جو چھپا رکھی ہے کتنے شور و شَر
بے خودی مستی میری دیوانگی
ہے اِک جس میں گُم کوئی موسیٰ نظر
قطرہ ہی وہ بحر ہے طوفاں بپا
زیرِ داماں ہیں جسے یہ بحر و بر
یہ نہیں سقراطؔ ہے کوئی رنجور
پھر جو ہے آمادہ پینے کو زہر

☆

کوئی آیا ہے بُلانے تجھ کو
گرتے گرنے سے بچانے تجھ کو
کون ہو یہ دیکھ میخانہ لئے
بادۂ عرفاں پلانے تجھ کو
گونجتی صحرا میں وہ آواز پھر
نیند سے شاید جگانے تجھ کو
آدمی ہو! آدمی کو پھر مسیح
آئے کب انسان بنانے تجھ کو
پھر سنو رنجوؔر کو مجبور ہے
داستانِ دل سنانے تجھ کو

☆

○

کسے تابِ شنیدن ہے یہ دِل کی داستاں میری
ادائے گفتگو سے یوں تو قاصر ہے زباں میری
میری دیوانگی و بیخودی سے ہے خدا لرزاں
خودی کی آگہی ہمراز ہو جو رازداں میری
وہ رازِ ہا وہو ، جو ہمنوا ساز جہاں سے ہے
اُسی بربط پہ چلتی ہیں رواں یہ انگلیاں میری
زمیں والوں کی عظمت سے ستارے کانپ اُٹھے ہیں
فرشتے لرزتے ہیں دیکھ کر یہ شوخیاں میری
زمین سے گونجتی ہے پھر کسی رنجور کی آواز
پہاڑوں کو ہلا دیتی ہے جب یہ سوزِ جاں میری

☆

ہم نے جو کہہ دیا وہ تھا کچھ اور
تم نے جو سُن لیا یہ ہے کچھ اور
یہ زمانہ بھی کیا زمانہ ہے ؟
ہم جو سمجھے تھے کچھ یہ ہے کچھ اور
آدمی ہیں سبھی بہت سارے
جن کو انساں کہیں وہ ہیں کچھ اور
ہم نہ غالبؔ ہوئے نہ ہم اقبالؔ
ہم تو کچھ اور ہیں وہ تھے کچھ اور
تو نے سمجھا سُنا پڑھا ہے کیا؟
دیکھنا ہے ابھی بہت کچھ اور
کیوں نہ رنجورؔ کو سمجھ پائے
ہم! جو سنتے ہیں اب، وہ تھے کچھ اور

☆

مری مستی خودی میں گم خدا ہے خاموشی میری
ادائے بیخودی پہ سرفدا ہے سرکشی میری
خدا و دین کو بھیجتے ہیں واعظ عام راہوں پر
خطیب دین مُلا سے جُدا ہے دل کشی میری
مرے سازِ قلب میں ہے مترنم بحر و بر کی روح
کہ جس سوزِ جگر سے نغمہ خوان ہے سرخوشی میری
زمین و آسماں کے درد و غم کی ہوں شمار! لیکن
مری وحدت میں کثرت ان گنت ہے خاکشی میری
غزل میری نہ سمجھو، پھر نہ کچھ رنجور سے پوچھو
خودی خود آگہی، کی ہے زبان پہ آتشی میری

☆

درد دِل میں لئے تو آیا ہوں
سینہ بریاں کئے تو آیا ہوں
خار زاروں سے پھر سفر کرکے
چاک داماں کئے تو آیا ہوں
تیری محفل میں یوں بہاتے خوں
آنسوؤں کو پیئے تو آیا ہوں
پارہ پارہ یہ دِل جگر اپنا
اُنگلیوں سے سیئے تو آیا ہوں
جانِ جاناں کہ بس تمہارے نام
جام ہا بھر دیئے تو آیا ہوں
خوگرِ عشق ورنج و آزار ست
ایک رنجور جیئے تو آیا ہوں

☆

مقامِ فضل و کمال کی ادائے قلندری
نالہ فغاں ہے کہ جہاں نِدائے پیمبری
صبر و جبر وت وغیرت کی وہ مثال
فخر کر بھی سکے جس پہ فقر بوذری
غم دل نے تو لیا ہے غمِ دُنیا بھی
ہے عبارت عجز سے انسانیت کی رہبری
جا کے دیکھو بھی مستی وخودی کی وہ شان
سرنگوں ہے سامنے جس کے افسری وزرگری
توحید آدمیت کی اُن کی یہ ترانہ ریزی
بن جاتی ہے کبھی کبھی رنجورؔ کی شاعری

☆

درد دِل کچھ بتا ہُدا کیا ہے؟
تو نہ سنبھلے تیرا مُدا کیا ہے؟
روشنی میں تم ہی تو ہے روشن
ذرّہ ذرے سے پھر جُدا کیا ہے؟
محوِ رقصاں ہے وحدت کثرت میں
جزو کُل سے الگ خدا کیا ہے؟
آرہی ہے صدائے کُن فیکون
تیری وحدت میں یہ سدا کیا ہے؟
دور صحرا میں ہے کوئی رنجور
دے رہا پھر کوئی نِدا کیا ہے؟

☆

دیکھنا ہے دیکھ میری بے مثالی کو نہ دیکھ
بے خودی مستی میری اس مست خیالی کو نہ دیکھ
یہ خودی کی بے نیازی سادگی دیوانگی
خود فراموشی کی میری لاؤبالی کو نہ دیکھ
ولولہ وہ جوش وہ جذبہ جنوں کی رنگ وبو
اب بھی ہے باقی ہماری ماہ وسالی کو نہ دیکھ
فرش سے تا عرش ہے میری نظر میرا سفر
زندگی پابندگی کی پائمالی کو نہ دیکھ
رنج وغم کی خوگری میں کون ہے کیا ہے رنجور
کچھ نہ پوچھ اے دوست ان کے دل کی لالی کو نہ دیکھ

☆

دردِ دِل کی بھی کچھ دوا ہے کیا؟
کچھ بتا بھی تیری رضا ہے کیا؟
عمر بھر کھو کے خارزاروں میں
کچھ صلہ بھی تجھے ملا ہے کیا؟
دشت وصحرا کی اس نوردی سے
اپنی جھولی میں یہ بھرا ہے کیا؟
چاک داماں یہ پیرہن اپنا
سلتے سلتے بھی کچھ سلا ہے کیا؟
کون ہو پھر جو بن سکے غالبؔ
ورنہ یہ طرز، یہ ادا ہے کیا؟
ہے کہاں نور ہے کہاں رنجورؔ
اِن کو اُن سے مقابلہ ہے کیا؟

☆

○

کیا سنائیں کِسے کہیں احوال
خود زمانۂ حال تو ہے بے حال
حال آنست کہ الاماں و الخیر
قدرِ اخلاق و علم ہے روبہ زوال
جان و دل بیچ دیں، خریدیں کیا؟
اس شہر میں جہاں پڑی ہے کال
دشت و صحرا کی اس اندھیری میں
کھو نہ جائے کہیں یہ صاحب حال
کوئی اپنا نظر نہیں آتا!
کس سے رنجورؔ گلہ کریں فی الحال

☆

○

ذِکرِ جہاں میں مست وہ فکرِ قلندری بھی دیکھ
فقرِ بوذریؓ کی یہ بختِ سکندری بھی دیکھ
دیکھنا ہے تو دیکھ وہ جہدِ پیہم کی جستجو
صبر و جبروت و جلال کی شیوۂ حیدریؑ بھی دیکھ
زُلفِ پیچاں جانِ جاں کج ادائیں کج اندام
حسن کی سرکشی ہے گر عشق کی خوگری بھی دیکھ
فکر و نظر کو ہیں عطا شعر و ادب کے زمزمات
علم و عمل کے رہنما عقل کی رہبری بھی دیکھ
شعلہ فشاں ہے سوزِ جاں نالہ فغاں کوئی رنجور
آتشین نغمگی کی یہ درد کی شاعری بھی دیکھ

☆

نگاہِ خندہ بہ لب کہ جب نہ یہ مسیحا کرے
کھلیں نہ گلکدوں میں گُل نہ جب یہ دِل کھلا کرے
انساں ہے کیا وہ آدمی جو شرفِ خلائق نہ ہو
دل میں نہ اپنے جو خراشِ درد کو بسا کرے
تلاش و جستجو کرو نہ خود اپنی خودی کی
کرے نہ کوئی خود تو پھر، کیا اُسے خدا کرے
رنجؔور کلام وزمزمات شعر اگر پیام ہوں
منزل نہ کیوں سخنوری مقام کبر یا کرے
بُلبل جوزار دان ہے گلستان کی پیامبر
وہ کیوں نہ رازخزاں بھی بہاراں پہ افشا کرے

☆

تم سمجھتے ہو کہ قبلہ ہیں امیر
وہ سراپا ہیں جو درویش وفقیر
جاہ وحشمت کی وجاہت سے بلند
ہے خودی کی شان جن کی بے نظیر
جن کی سیرت سرمدی ! کی سادگی
زیب تن کی خواجگی سے ہے نفیر
روح کی آزادیوں کو کیوں کریں
جامہ ہائے زر نگاری میں اسیر
کھو دیا رنجورؔ نے خود کو یہاں
پالیا بس صبر و جبروت وضمیر

☆